بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

# نظریاتی بحران: زمینی حقائق اور اُمید کی کرن

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یکے بعد دیگرے سیاسی اور معاشی بحرانوں سے گزرنے کے نتیجے میں ملکِ عزیز ایک گہرے نظریاتی بحران کی طرف جا رہا ہے۔ اس غیر یقینی صورتِ حال میں نوجوان مروجہ جمہوریت سے بیزار ہو کر تبدیلی کے دیگر نظریات کو اپنانے پر غور کر رہے ہیں۔ معاشی پریشانی جو ہماری اپنی پیدا کردہ ہے اور برسرِ اقتدار گروہ کی ناعاقبت اندیشی اور نااہلیت کی اذیت ناک مثال ہے۔ ملک کے بعض ماہرینِ معاشیات کے مطابق صرف سات سال میں ہم اس سے نجات حاصل کر سکتے ہیں، لیکن ضرورت صرف پختہ عزم، صحیح سمت کے تعین اور اخلاص و قربانی کے ساتھ حصولِ مقصد کی جدوجہد ہے۔ بڑے دُکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ صاحبِ اقتدار افراد، وہ دورِ فراعنہ کے ہوں یا دورِ جدید، ہمیشہ قوت کو ہر مسئلہ کا حل سمجھتے رہے ہیں اور تاریخی تجربات سے سبق لینے کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عروج و زوال کے جو قوانین پوری کائنات میں نافذ کیے ہیں، انسان ان سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اگر ایک جنگل میں شیر اپنی خونخواری کے خوف کی بنا پر بقیہ جانوروں کو خائف رکھ کر ان پر حکومت کرتا ہے، تو اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو محفوظ تصور نہیں کرتا اور ہر آہٹ پر انجانے خطرات اسے گھیرے رہتے ہیں۔

اس وقت سب سے اہم معاملہ قومی، ملکی اور علاقائی یک جہتی کا ہے۔ عالمی طور پر تسلیم شدہ اصول ہے کہ ملک دشمن بیرونی عناصر ملک کے اندر محرومیت کا احساس رکھنے والے قائدین اور نوجوانوں کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ ان کے جذبات کی شدت میں جتنا ممکن ہو اضافہ کرتے ہیں،

اور ساتھ ہی اپنی طرف سے مکمل مادی، اخلاقی اور سیاسی حمایت کا یقین دلا کر علیحدگی پسندی کی طرف دھکیل دینے میں لگے ہوتے ہیں۔ ملک کے بعض صوبوں کے مقامی قائد جو کل تک قومی مسائل کے حل کی امید رکھتے تھے، اپنی سخت نا امیدی کا اظہار کرتے ہوئے ملک چھوڑ کر جانے پر آمادہ ہیں، لیکن بلند ایوانوں کے مکین شیش محل کو آہنی قلعہ تصور کیے اپنی روش بدلنے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔

حال ہی میں بنگلہ دیش جن تکلیف دہ مراحل سے گزرا اور جس عظیم انسانی جانی قربانی کے بعد ان نوجوانوں نے جنھیں گذشتہ ۵۰ برس سے صرف پاکستان دشمنی کا سبق پڑھایا گیا تھا۔ انھی نوجوانوں نے اس فرد کو جس نے بنگلہ دیش بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا، اس کے مجسمے کو اپنے ہاتھوں سے توڑ کر اپنی سیاسی آزادی کا اعلان کیا۔ یہ تاریخ کا پہلا موقع نہیں ہے کہ جب بھی ناانصافی، استحصال، جمہوری حقوق کی پامالی، قید و بند اور قوت کے ذریعے اقتدار پر قائم رہنے کی کوشش کی جائے گی، اس کا ردعمل جلد یا بدیر سامنے آئے گا۔ اکثر ایسا ردعمل شدید اور خون آشام ہوتا ہے، جس کے ممکنہ طور پر واقع ہونے سے برسراقتدار طبقہ ہمیشہ غافل رہتا ہے۔

سیاسی دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ قبل اس کے کہ صبر و برداشت کی حدیں پار کر کے عوام خصوصاً نوجوان ایک ناقابلِ واپسی مقام پر آجائیں، ملکی سالمیت اور انسانی جان کے احترام کے پیش نظر مسائل کا حل غرور و تکبر کی جگہ گفت و شنید اور مفاہمت کے ساتھ ہونا چاہیے۔ جب بھی ذاتی اَنا کسی معاملے میں آڑے آئے گی، حالات خراب سے خراب تر ہوں گے۔

نہ صرف نوجوان بلکہ عوام بھی آج گہری مایوسی کا شکار ہیں۔ یہ مایوسی نہ صرف اُن نام نہاد نمائندوں سے ہے، جو انتخابات کے نتائج کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غاصبانہ طور پر پارلیمان تک پہنچے، بلکہ یہ مایوسی نظام سے بھی ہے۔ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ نہ صرف آج بلکہ ماضی میں بھی اس سے ملتے جلتے تماشے سابقہ ممبران پارلیمان کرتے رہے ہیں۔ گویا جمہوریت کے نام پر ایک ڈراما جاری ہے، جس کے کردار ہر تھوڑے عرصے کے بعد تبدیل ہو جاتے ہیں، یا وہی کردار دوسرا بھیس بدل کر چہروں کو رنگ اور روغن کے ذریعے تبدیل کر کے اقتدار پر قابض ہو جاتے ہیں۔ نظام اور اداروں پر سے اس طرح اعتماد کا اٹھ جانا ملک و ملت کے لیے زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اگر پاسبان خود راہزن بن جائے تو پھر قانون اور عدل و انصاف کے خوب صورت تصورات بے معنی ہوجاتے ہیں اور ہر فرد اپنے آپ کو قانون کی قید سے آزاد سمجھنے لگتا ہے۔ اس نفسیاتی کیفیت کا عملی تجربہ اگر کرنا ہو تو اسلام آباد ہو یا لاہور یا کوئی اور شہر کے کسی بھی چوراہے پر کھڑے ہو کر مشاہدہ کیجیے کہ جب ٹریفک کا اشارہ سرخ ہوتا ہے، جس کا مطلب ہے صبر کرو اور دوسرے اطراف کی ٹریفک کو گزرنے دو۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ اس وقت بھی کچھ افراد سرخ بتی کا احترام کیے بغیر اسے توڑتے ہوئے بغیر کسی احساسِ جرم کے اپنی گاڑیاں تیز رفتاری سے لے جاتے ہیں، کیونکہ ان کی گاڑی اونچی اور زیادہ قیمتی ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ ان کی تقلید میں بہت سے موٹر سائیکل سوار اور دیگر چھوٹی بڑی گاڑیاں بھی اپنا حق سمجھتے ہوئے اشارہ توڑ کر گزر جاتی ہیں۔ اس روش کے نتیجے میں ہر مصروف سڑک اور چوراہا قانون شکنی کی تصویر بنا ہوا ہے۔

ایک عام شہری میں جب قانون کے احترام کا جذبہ سرد پڑ جائے تو وہ ٹریفک کی سرخ بتی کی پروا نہیں کرتا۔ جس کے نتیجے میں سڑکوں پر افراتفری، اذیت انگیز بدنظمی پھیل جاتی ہے۔ ایسے ہی کسی بھی ادارے کا سربراہ جب دستور کے احترام کے بجائے دستور شکنی کی روش اختیار کرتے ہوئے کبھی اپنی مدتِ ملازمت میں توسیع، کبھی غیر قانونی مراعات و مالی و دیگر مفادات کے حصول اور زیادہ سے زیادہ مدت کے لیے اقتدار میں رہنے کی ہوس کا شکار ہو کر آئین و قانون کی پابندی کی سرخ لکیر سے آگے نکلتا ہے، تو اس کے نتیجے میں اداروں کی سطح پر بدنظمی، بے قاعدگی اور آئینی و دستوری افراتفری کی صورت حال جنم لیتی ہے۔ جس کا خمیازہ عام آدمی کو بھگتنا پڑتا ہے۔

ہماری قومی تاریخ ذاتی مفادات کے لیے بدترین آئین و قانون شکنی کے تلخ واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جس کے نتیجے میں ملک بھی دولخت ہوا اور عوام الناس کو بھی جان و مال کے بدترین نقصانات اٹھانے پڑے۔ آج بھی ملک کے اکثر حصّے آئین اور قانون کے عدم احترام اور اداروں کی بے راہ روی کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ ان واقعات کا تسلسل اہلِ اقتدار اور اداروں کے ذمہ داروں کی بے حسی، خود پرستی اور ملک و قوم سے کیے جانے والے آئینی حلف سے رُوگردانی کی نشان دہی کرتا ہے۔ جب قوم جبر و ناانصافی اور اصحابِ اقتدار کی بے حسی اور قانون شکنی کو دیکھتی ہے، تو وہ بھی قاعدوں اور ضابطوں کی سرحدیں عبور کر جاتی ہے۔

لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اداروں کو اپنی حدود میں رہنا سیکھنا چاہیے اور ہر شہری میں قانون اور دستور کے احترام کا جذبہ ہمہ وقت زندہ رہنا چاہیے۔ ابلاغ عامہ اور تعلیم دو ایسے ذرائع ہیں جو اس احساس کو جگانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ قوم کو تباہی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ دستور اور قانون کے احترام کو بحال کیا جائے۔ بلاشبہہ معاشی پریشانی کے شکار افراد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کی پریشانی چاہے وہ بجلی کے بل کی بنا پر ہو، یا اشیائے خورد و نوش کی گرانی کی وجہ سے، یا اس معاشرتی بگاڑ کی بنا پر جس میں خاندان کے ادارے کو سخت دھچکا پہنچا ہے اور بے شمار خطرات کا سامنا ہے۔ ملکی افراتفری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دفتری، کاروباری اور ادارہ جاتی زبوں حالی اور تنزل اور عدم اطمینان کے نتیجے میں عوام کی گھریلو زندگی شدت سے متاثر ہو رہی ہے۔ قریبی رشتوں میں قربت کی جگہ کھنچاؤ اور بدگمانی سے رشتوں میں فاصلے پیدا ہو رہے ہیں۔

ان تمام مسائل کی اہمیت اپنی جگہ لیکن اس وقت ریاست اور قوم کی اوّلین ترجیح جغرافیائی سالمیت ہونی چاہیے۔ دو صوبے اور آزاد کشمیر جس کش مکش سے گزر رہے ہیں، شاید اربابِ اقتدار کو اس کی سنگینی کا احساس نہیں ہے۔ یہی خام خیالی کی نفسیات ۱۹۷۰ء میں ایوانِ اقتدار میں بیٹھے ہوئے سول اور فوجی حکمرانوں کو تھی۔ وہ مطمئن تھے کہ ملک میں سب چین ہی چین ہے۔ وہ دیوار پہ لکھی تحریر جانتے بوجھتے بھی نہیں پڑھنا چاہتے تھے اور کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے سوئے رہے تھے، جس کا خمیازہ ملک کو دولخت ہونے، ہزاروں فوجیوں کی ہزیمت انگیز گرفتاری اور ہزاروں لوگوں کی جانوں کی قربانی کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ بدقسمتی سے آج پھر حکمران طبقہ کی جانب سے وہی تاریخ دوہرائی جا رہی ہے۔

اس وقت تمام سیاسی جماعتوں کی اوّلین ترجیح ملکی سالمیت کو ہونا چاہیے۔ جس کے لیے سیاسی آزادیوں کی بحالی، عوامی جذبات کا احترام اور سابقہ انتخابات میں ہونے والی بے ضابطگیوں کا تدارک کسی تاخیر کے بغیر ہونا ضروری ہے تاکہ مفاہمت کی فضا پیدا ہو سکے۔ ملکی سالمیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب محروم طبقات کو ان کا حق دیا جائے۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اس وقت ملک میں سب سے زیادہ ناخواندگی بلوچستان میں ہے۔ تقریباً ۶۰ فی صد تعلیم کی عمر رکھنے والے بچوں کو تعلیم کی سہولت میسر نہیں۔ یہی حال

دیگر تعلیمی سہولیات اور ضروریات کا ہے۔ اسکولوں میں پینے کا پانی، چار دیواری، کمرۂ جماعت، بیت الخلا کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تربیت یافتہ اساتذہ اور تعلیمی سہولیات کی عدم موجودگی کے باعث پس ماندہ علاقوں کے عوام معاشی بدحالی کا شکار ہیں۔ معاشی طور پر جو امیدیں چین کی شاہراۂ تجارت (سی پیک) کے بننے سے وابستہ تھیں، وہ حکمران طبقہ کی ناعاقبت اندیشی اور چچا سام کی غلامی سے عملاً ناکام ہو چکی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ہم اپنے ہمدردوں کو بڑی مہارت سے اپنا مخالف بنانے کے عادی ہیں۔ افغانستان ہو یا چین، ہم نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ وہ ہم سے بدگمان ہو کر ہمارے دشمن کو اپنا دوست بنانے پر آمادہ ہوں۔

انڈیا اور بعض دیگر ممالک بلوچستان کی صورتِ حال کا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان مخالف عناصر کو ہر قسم کی امداد فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر فوج جو آگے بڑھ کر محاذوں کی حفاظت کرنے کی عادی ہوتی ہے، وہ اپنے ہی ملک میں، خود اپنے آپ کو ریت کی بوریوں کے پیچھے محفوظ بنانے میں لگی ہو، تو ملکی سرحدوں کا تحفظ کون کرے گا؟

ہر ادارے کو احساسِ جواب دہی کے ساتھ اپنے کام کو ذمہ داری کے ساتھ کرنا ہوگا، جب ہی ملکی سالمیت برقرار رہ سکتی ہے۔ عدلیہ کا کردار جس طرح مشتبہ بنانے میں خود عدلیہ نے کام کیا ہے، وہ ایک ناقابلِ یقین حقیقت ہے۔ کوئی ادارہ اپنا اتنا دشمن نہیں ہو سکتا، جتنا عدلیہ نے اپنے ساتھ کر کے دکھایا ہے۔ ملک کے قانون دانوں کا فرض ہے کہ وہ دستوری ذرائع سے عدلیہ کے احترام کو بحال کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

**کرنے کے کام**

۱- تمام سیاسی جماعتیں اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میثاق تحفظِ دستور اور جغرافیائی وحدت پر نہ صرف متفق ہو کر دستخط کریں بلکہ بلوچستان، خیبر پختون خوا، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان جا کر عوام اور دانش وروں کے ساتھ براہِ راست تبادلۂ خیالات کے ذریعے صوبائی آزادی کی تحریک کی جگہ ملکی وحدت کے تصور کو حکمت کے ساتھ ذہنوں میں جاگزیں کریں۔

۲- فوری طور پر گوادر کی ترقی کے لیے کیے گئے اقدامات اور چین کی شاہراۂ تجارت (سی پیک)

کے منصوبے کو آگے بڑھانے کے لیے سیاسی اور معاشی اقدامات کیے جائیں، تاکہ گوادر منصوبے کو ناکام بنانے کی کوشش کو روکا جاسکے۔

۳- ایران کے ساتھ گیس پائپ لائن کے سلسلے میں فوری مذاکرات کے ذریعے معاملات کو بہتر بنایا جائے اور امریکی مفاد کی جگہ پاکستان کے مفاد کو اوّلیت دی جائے۔

۴- تمام سیاسی کارکنوں کو جیلوں سے اور جنھیں جبری لاپتا یا اغوا کیا گیا ہے، اگر وہ غیرقانونی سرگرمیوں میں ملوث ہیں، تو انھیں عدالتوں میں پیش کیا جائے، بصورت دیگر انھیں باعزّت طور پر رہا کیا جائے۔

۵- اسلامی جمہوریہ پاکستان کے متفقہ دستور میں وقتی سیاسی مفادات کے حصول کے لیے کسی بھی تبدیلی کو برداشت نہ کیا جائے۔

۶- ملکی معاشی پالیسی پر یونی ورسٹیوں اور تحقیقی اداروں سے وابستہ ماہرینِ معاشیات کو مدعو کرکے جامع مشاورتی عمل کا آغاز کیا جائے۔ جس میں زراعت، پانی کے وسائل اور صنعتوں کے مسائل خصوصاً فیصل آباد اور سیالکوٹ کی مقامی صنعتی پہچان کو بحال کیا جائے۔ زرعی زمینوں کو رہائشی سہولیات میں تبدیل کرنے کو سخت قابلِ سزا جرم قرار دیا جائے، اور جو زرعی زمین گذشتہ تین برسوں میں رہائشی مقاصد کے لیے حاصل کی گئی ہے، اس میں زراعت کے نظام کو بحال کیا جائے۔

۷- تعلیمی زبوں حالی اور خصوصاً آئی ٹی کے ذریعے فاصلاتی نظامِ تعلیم اور براہِ راست تعلیم کو ملا کر تعلیم عام کرنے کے مشن کو عملی شکل دی جائے۔ اس میں اساتذہ اور طلبہ کو بطور رضاکار استعمال کیا جائے اور انھیں بغیر کسی معاشی معاوضہ کے بعض سہولیات فراہم کی جائیں تاکہ وہ یہ کام خوشی کے ساتھ کرسکیں۔

---